ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.8,Issue No.3 (2026)
(July to September)

فیض احمد فیض کی شاعری کی عصری معنویت

The Contemporary Relevance of Faiz Ahmad Faiz's Poetry

ڈاکٹر ظفر اقبال
اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ گریجوایٹ کالج، سمندری
ڈاکٹر طارق ہاشمی
پروفیسر، شعبہ اُردو، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

Dr. Zafar Iqbal
Assistant Professor, Urdu Department, Govt. Graduate College, Samundari
Dr. Tariq Hashmi*
Professor of Urdu,G C University, Faisal Abad
*Correspondence: drtariqhashmi@gcuf.edu.pk

Abstract:
This article examines the contemporary relevance of Faiz Ahmad Faiz's poetry in the context of present-day political, social, economic, and international conditions. Although Faiz addressed the realities of his own time, his poetry continues to reflect issues that remain unresolved, including social injustice, class exploitation, political oppression, censorship, imperialism, and the denial of fundamental human rights. Through a textual analysis of selected poems and ghazals, the study explores how Faiz's vision of equality, freedom, peace, and humanity resonates with contemporary realities. Particular attention is given to the plight of marginalized communities, the Palestinian struggle, the exploitation of workers and peasants, and restrictions on freedom of expression. The study argues that Faiz's poetry transcends its historical context because its humanistic and progressive concerns remain relevant across generations. His poetic voice continues to inspire resistance against oppression and to uphold the ideals of justice, dignity, and human solidarity.

Key words: Faiz Ahmad Faiz, Contemporary Relevance, Urdu Poetry, Social Justice, Resistance, Humanism, Imperialism.

فیض احمد فیض بیسویں صدی کے نام ور ترقی پسند شاعر ہیں۔ وہ اردو شعر و ادب کی ایک مقبول اور توانا آواز ہیں۔ ان کا اختصاص یہ ہے کہ وہ اردو کے ان چند باکمال شعرا میں سے ایک ہیں جن کی تخلیقات نے عالمی ادب میں اہم مقام بنا کر اردو زبان و ادب کو ثروت مند کیا۔ بیسویں صدی کے جن اردو شعراء کو بین الاقوامی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی، ان میں فیض احمد فیض کا نام اہمیت کا حامل ہے۔ آزادیِ ہند کے بعد اردو کے کئی شعرا نے فیض کا اثر قبول کیا۔ فیض کی ساری زندگی غمزدہ انسانیت کے لیے مرہم الفاظ مہیا کرنے، مظلوموں کو ظالموں سے پنجہ آزمائی کی جرأت دلانے، روشن مستقبل کی نوید سنانے اور جیتی جاگتی محبتوں اور الفتوں کی نغمہ سرائی میں گزری۔ یوں کہنا بے جا نہ ہو گا کہ اردو شعر و ادب کی دنیا میں فیض احمد فیض ایک شخصیت نہیں بل کہ ایک عہد کا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب میریات، غالبیات اور اقبالیات کے ساتھ ساتھ فیضیات کی اصطلاح بھی رواج پا چکی ہے۔

اگرچہ فیض احمد فیض بیسویں صدی عیسوی کے شاعر ہیں اور فیض نے بیسویں صدی عیسوی کے تیسرے عشرے سے لے کر نصف نویں عشرے تک کے سیاسی، سماجی، معاشی، تہذیبی اور ثقافتی حالات کو ملکی اور عالمی تناظر میں اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ تاہم

ایک بڑے اور قد آور شاعر و ادیب کا تخصص یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنی تحریروں کو زمان و مکان کی حدود و قیود سے ماورا بنا دیتا ہے۔ فیض احمد فیض چوں کہ ایک بڑے اور قادر الکلام شاعر ہیں جن کے مشاہدے میں گہرائی اور گیرائی کے ساتھ تخئیل کی بلند پروازی بھی ہے اور ان کی نگاہِ دور بین و دماغِ پیش بین نے مستقبل کے مسائل و معاملات کو دیکھ اور بھانپ لیا تھا یہی وجہ ہے کہ اس لیے ان کے کلام میں آفاقیت اور عصریت کے متنوع پہلو بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر گلشن طارق اس تناظر میں لکھتی ہیں:

> ''تاریخی اور سماجی شعور نے فیض کو معاصر زندگی کی بنیادی حقیقتوں کا عرفان عطا کیا۔۔۔ فیض کی شاعری نہ صرف اپنے عہد کی عصری حسیت کی نمائندگی کرتی ہے، بلکہ ان کی شاعری عہدِ جدید کے عالمی گاؤں کے عصری رجحانات سے بھی جڑی نظر آتی ہے۔''(۱)

موجودہ قومی اور بین الاقوامی سیاسی، معاشی، سماجی اور تہذیبی حالات کا بنظرِ غائر جائزہ لیا جائے تو یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ آج بھی اکثر و بیشتر انسانی مسائل اور ملکی و عالمی حالات وہی ہیں جو بیسویں صدی میں تھے۔ اس لیے کلامِ فیض کا ایک بڑا حصہ عصری تناظر میں بھی اسی طرح کارآمد ہے جس طرح بیسویں صدی عیسوی میں تھا۔ وطنِ عزیز اسلامی جمہوریہ پاکستان اور ترقی پذیر و پس ماندہ ممالک کے حالات پر نظر ڈالی جائے تو کم و بیش آج بھی وہی حالات ہیں جو آج سے چند دہائیاں قبل کہ فیض کے عہد میں تھے۔ آج بھی جمہور کی آواز کو ویسے ہی دبایا جا رہا ہے جیسے فیض کے دور میں آزادیِ اظہارِ رائے پر پابندی تھی۔ انصاف کی دیوی آج بھی طاقت ور طبقے پر مہربان ہے اور کمزور طبقہ ناانصافی کی چکی میں بری طرح پس رہا ہے۔ فیض کی نظم ''وَیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ'' کا یہ حصہ ذرا دیکھیے:

ہم دیکھیں گے
لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں گے
وہ دن کہ جس کا وعدہ ہے
جو لوحِ ازل میں لکھا ہے
جب ظلم و ستم کے کوہ گراں
روئی کی طرح اڑ جائیں گے
ہم محکوموں کے پاؤں تلے
جب دھرتی دھڑ دھڑ دھڑکے گی
اور اہلِ حَکَم کے سر اُوپر
جب بجلی کڑ کڑ کڑکے گی(۲)

نظم کے مصرعے پڑھ کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ فیض نے یہ نظم آج کے حالات کے تناظر میں لکھی تھی۔ مذکورہ نظم ''ویبقیٰ وجہ ربک'' (ترجمہ: اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات باقی رہے گی) کا عنوان جو قرآن مجید کی سورۃ رحمٰن کی ایک آیت سے ماخوذ ہے، محسوس ہوتا ہے کہ فیض اس نظم میں روزِ جزا کا نقشہ کھینچ رہے ہیں جب حضرت اسرافیل صور پھونکیں گے اور تمام مخلوق نیست و نابود ہو جائے گی۔ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا نام باقی رہے گا۔ اگرچہ ہم آج بھی فیض کے حالات کی طرح عدالتوں کی سیاسی کیسوں میں مصروفیت اور کسی حد تک عدالتی نظام سے مایوسی کے باعث داورِ محشر سے انصاف کے طالب ہیں۔ لہٰذا نظم کے پس منظر پر نگاہ ڈالنے سے عیاں ہوتا

ہے کہ فیض نے اس نظم میں ہمارے مقتدر طبقے کو آڑے ہاتھوں لیا ہے جس کی باگ ڈور پاکستان سے باہر طاقت ور ممالک کے ہاتھوں میں ہے۔ آج بھی ہر پاکستانی ایسے منظر دیکھنے کا فیض کی طرح خواہش مند ہے۔ فیض اس نظم میں ان محرکات پر روشنی ڈال رہے ہیں، جو اس وقت درپیش تھے، وہ نامساعد حالات جن کو فیض نے مذکورہ نظم میں پیش کیا ہے، انھی حالات کا آج بھی ہمیں سامنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نظم کے خیال کو عملی جامہ پہنانے کی ضرورت دورِ گزشتہ کی طرح آج بھی محسوس کی جارہی ہے۔

آج کے حالات دیکھیں تو ہر طرف افراتفری کا عالم ہے۔ مقتدر طبقے اور اشرافیہ کی بدعنوانیاں زوروں پر ہیں۔ خواص عوام پر، ظالم مظلوم پر، حاکم محکوم پر ناجائز حاوی ہوتے جارہے ہیں۔ آج بھی عوام اسی طرح امن و مساوات کے انتظار میں ہیں جس طرح ۱۹۷۹ء میں عوام خوش حالی اور انصاف کی سربلندی کے منتظر تھے جب فیض نے یہ نظم لکھی:

جب　ارضِ　خدا　کے　کعبے　سے
سب　بت　اُٹھوائے　جائیں　گے
ہم　اہلِ　صفا،　مردودِ　حرم
مسند　پہ　بٹھائے　جائیں　گے
سب　تاج　اچھالے　جائیں　گے
سب　تخت　گرائے　جائیں　گے
بس　نام　رہے　گا　اللہ　کا
جو　غائب　بھی　ہے　حاضر　بھی
جو　منظر　بھی　ہے　ناظر　بھی
اور　راج　کرے　گی　خلقِ　خدا
جو　میں　بھی　ہوں　اور　تم　بھی　ہو　(۳)

فیض نے تیسری دنیا کے ممالک کی حالتِ زار کو اپنی شاعری میں بڑے منفرد انداز میں بیان کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ترقی پذیر اور پس ماندہ ممالک کے عوام سرمایہ دارانہ نظام کی چکی میں بری طرح پس رہے ہیں۔ یہ مجبور و محکوم انسان اپنے مالک کے مکمل رحم و کرم پر ہیں۔ اس حوالے سے انھوں نے کئی نظمیں تخلیق کی ہیں۔ ان میں سے ایک نظم ''کُتّے'' پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے:

یہ　گلیوں　کے　آوارہ　بے　کار　کُتّے
کہ　بخشا　گیا　جن　کو　ذوقِ　گدائی
زمانے　کی　پھٹکار　سرمایہ　ان　کا
جہاں　بھر　کی　دُھتکار　ان　کی　کمائی
نہ　آرام　شب　کو،　نہ　راحت　سویرے
غلاظت　میں　گھر،　نالیوں　میں　بسیرے
جو　بگڑیں　تو　اک　دُوسرے　سے　لڑا　دو
ذرا　ایک　روٹی　کا　ٹکڑا　دکھا　دو

یہ ہر ایک کی ٹھوکریں کھانے والے
یہ فاقوں سے اُکتا کے مر جانے والے
یہ مظلوم مخلوق گر سر اٹھائے
تو انسان سب سرکشی بُھول جائے
یہ چاہیں تو دنیا کو اپنا بنا لیں
یہ آقاؤں کی ہڈّیاں تک چبالیں
کوئی ان کو احساسِ ذِلّت دلادے
کوئی اِن کی سوئی ہوئی دُم ہلادے (۴)

نظم میں کتا ذلت و خواری اور مظلومیت کا استعارہ ہے۔ یہ نظم مشرق میں کتے ہی کی حالتِ زار نہیں بل کہ ہمارے آس پاس کی زندگی کے بیشتر انسانوں کی نمایندگی کرتی ہے۔ ہر مصرع ایک رَمز ہے۔ جو حقیقت کی سمت توجہ دلاتا ہے۔ کتا محض استعارہ ہی نہیں بل کہ ایک مجموعی نظام کی نمایندگی کرتا دکھائی دیتا ہے۔ اس کی ذلت و خواری اور اس پر ہونے والا ظلم و ستم انسانوں پر ہونے والے ظلم و ستم سے مترادف ٹھہرتا ہے اور یہاں کتوں سے بدتر معاشی زندگی گزارتے ان لوگوں کی جانب اشارہ کرتا ہے جو مجبور اور محکوم ہیں۔ اس نظم کا مطالعہ کرتے ہوئے کتوں کے حالات میں جس عموم کی جانب اشارہ جاتا ہے، وہ ہمارے عوام کے وہ مزدور ہیں جن کے بچے آج بھی غربت و افلاس میں سسکتے ہیں، تعلیم سے محروم رہ جاتے ہیں، کچی بستیوں اور جھونپڑیوں میں رہتے ہیں اور جب چاہے حاکم وقت ان کی جھونپڑیاں اکھاڑ پھینکتا ہے، ان کی بچیاں کم عمری میں اپنی برابری اور برادری کے غریبوں سے بیاہی جاتی ہیں جہاں وہ ادھ مرے بھوکے بچوں کو جنم دیتی ہیں۔ ان کے بچے سکول نہیں پہنچ پاتے اور ان کا بچپن بلکہ ان کی ساری زندگی چوک چوراہوں، اڈوں اور بازاروں میں پھٹے کپڑوں اور بغیر جوتوں کے تپتی سڑک پہ بھیک مانگتے گزر جاتی ہے اور اگر محنت و جستجو سے کچھ کرنے کی خواہش ہو تو بازاروں اور چوراہوں سے ترقی کر کے بھٹہ خشت یا پھر چائے کے ڈھابوں پر گزرتا ہے۔ یہ نظم مجموعی طور پر ایک ایسے نظام کی علامت ہے جو نہ صرف ہمارے آس پاس موجود ہے بل کہ بہت سے مقامات ایسے بھی ہیں جہاں انسانوں کی بستیاں انسانوں کی نہیں بلکہ جانوروں کی دنیا بھی سے آگے کی معلوم ہوتی ہیں۔ ذرا غور سے دیکھا جائے تو یہ مظلوم طبقہ آج بھی اپنے حقوق سے غافل زندگی گزار رہا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ جس طبقے کے مسائل فیض نے بیسویں صدی کی چوتھی دہائی میں بیان کیے ہیں، وہی مسائل اور اس طبقے کی غفلت آج بھی جوں کی توں ہے۔ سید سبطِ حسن ان سے متعلق یوں گویا ہوتے ہیں:

> ”اردو زبان خوش قسمت ہے کہ اس نے معاشرتی زندگی کے ہر اہم موڑ پر ایسے صاحبِ کمال پیدا کیے جو اپنے عہد کی پہچان اور روحِ عصر کے ترجمان ثابت ہوئے ہیں۔۔۔ فیض احمد فیض دورِ حاضر میں دکھی انسانیت کے ضمیر کی آواز ہیں۔ ایسی آواز جو نغمہ بھی ہے، للکار بھی، جس میں سوزِ یقین بھی ہے اور غمِ زمانہ کا درد بھی، جہد و انقلاب کی گھن گرج بھی ہے اور حسن و محبت کی شیریں نوائی بھی۔“(۵)

فیض کے آخری مجموعہ کلام بعنوان "غبارِ ایام" کی نظم "اِدھر نہ دیکھو" بھی عصری معنویت کے ضمن میں اہمیت کی حامل ہے۔ یہ نظم حالاتِ حاضرہ کا شدید کرب اوراصل حقیقت بیان کرتی ہے۔ حق و صداقت کے علم بردار آج بھی بعض اوقات زمانی مصلحتوں کا شکار ہو کر حق کا علم بلند کرنے کے بجائے اپنا راستہ بدل لیتے ہیں۔ آگے بڑھنے سے پہلے نظم کے چند مصرعے سماعتیے:

اِدھر نہ دیکھو کہ جو بہادر
قلم کے یا تیغ کے دھنی تھے
جو عزم و ہمت کے مُدّعی تھے
اب ان کے ہاتھوں میں صدقِ ایماں کی
آزمودہ پرانی تلوار مُڑ گئی ہے
جو کج کُلہ صاحبِ حشم تھے
جو اہلِ دستار محترم تھے
ہوس کے پُر پیچ راستوں میں
کُلہ کسی نے گِرو رکھ دی
کسی نے دستار بیچ دی ہے
اُدھر بھی دیکھو
جو اپنے رُخشاں لہو کے دینار
مُفت بازار میں لُٹا کر
نظر سے اوجھل ہُوئے(۶)

موجودہ عہد میں بھی عوام کو سبز باغ دکھانے والے نام نہاد اور گفتار کے غازی رہنما بکثرت دیکھے جاسکتے ہیں۔ حقیقی تبدیلی درحقیقت خود سے شروع کرنا پڑتی ہے۔ حق و صداقت کے لیے جب تک خود اپنی جان کا نذرانہ پیش نہ کیا جائے، تبدیلی لانا کسی طور ممکن نہیں ہوتا۔ آج بھی کئی رہنما ملکی ترقی، خوش حالی اور امن و مساوات کے نعرے تو لگاتے ہیں مگر حقیقت میں اس بدعنوان نظام کو اپنی جڑوں سے اکھاڑ پھینکنا نہیں چاہتے کیوں کہ اسی میں ان کی بقا ہے، لہٰذا اس فرسودہ نظام کے کسی نہ کسی کل پرزے سے ان کے دیرینہ تعلقات نکل آتے ہیں۔ فیض نے جن شعبدہ بازوں کو مذکورہ نظم میں ہدفِ تنقید بنایا ہے، اسی طرح کے شعبدہ باز ہم آج بھی اپنے آس پاس دیکھ سکتے ہیں۔ جو کچھ دیر کے لیے ملکی منظر نامے پر ابھر کر شعبدہ بازیاں دکھاتے ہیں مگر جلد ہی اپنی ترجیحات کا رُخ موڑ لیتے ہیں۔ انھوں نے اپنی دستار بیچ دی ہے اور اپنے کلہ کو بھی گروی رکھ دیا ہے۔ یہ نظم بھی عصری سیاسی و سماجی معنویت کے اعتبار سے نہایت موزوں ہے۔

فیض احمد فیض نے عالمی مسائل اور سامراجی قوتوں کے منفی عزائم کو جس طرح بیسویں صدی میں اپنی نظموں کا موضوع بنایا ہے، معاصر عالمی سیاسی افق پر وہ مسائل آج بھی سلگتے ہوئے مسئلے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ فیض کا اختصاص یہ ہے کہ دنیا بھر میں جہاں بھی انسانیت کو مشکل کا سامنا کرنا پڑا، وہ انسانیت کی فطری ہمدردی کے جذبے کے تحت ان کی آواز بنے ہیں۔ اس حوالے سے فلسطین کا مسئلہ نمایاں ہے جو عالمی سیاست کی بساط پر طاقتور سامراجی کھلاڑیوں کی ایسی گھناؤنی چال ہے جس نے لاکھوں معصوم انسانوں کی زندگیاں برباد

کر دی ہیں اور یہ سلسلہ آج بھی جوں کا توں ہے۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد اُس دور کی پہلی عالمی طاقت برطانیہ اور نئی ابھرنے والی عالمی قوت امریکہ نے گٹھ جوڑ کر کے اسرائیل کی بنیاد رکھی۔ تب سے لے کر آج تک اس مسئلے پر چار بڑی جنگیں ہو چکی ہیں۔ ہر بار فلسطینی باشندوں کا بے دریغ قتلِ عام کیا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ آج بھی جوں کا توں ہے۔ ڈاکٹر حافظ محمد ثانی اس تناظر میں اپنے کالم میں یوں گویا ہوتے ہیں:

> ''فیض کے کلام میں ظلم و استعماریت کے لیے زندہ استعارے برتے گئے ہیں۔ فیض نے فلسطین کے حوالے سے دو مشہور نظمیں '' فلسطینی شہدا جو پردیس میں کام آئے'' اور '' فلسطینی بچے کے لیے لوری'' بھی کہیں جو بے حد مقبول ہوئیں۔ فیض نے یہ دونوں نظمیں ۱۹۸۰ء میں بیروت میں قیام کے دوران لکھیں۔''(۷)

اب ذرا فیض کے شعری مجموعے ''مرے دل مرے مسافر'' میں شامل نظم ''فلسطینی بچے کے لیے لوری'' کے چند مصرعوں پر نظر ڈالیے:

مت رو بچّے
رو رو کے ابھی
تیری امّی کی آنکھ لگی ہے
مت رو بچّے
کچھ ہی پہلے
تیرے ابّا نے
اپنے غم سے رُخصت لی ہے
مَت رو بچے
تیرا بھائی
اپنے خواب کی تِتلی پیچھے
دُور کہیں پردیس گیا ہے
مَت رو بچے
تیری باجی کا
ڈولا پرائے دیس گیا ہے(۸)

اگر اس نظم کو موجودہ عہد میں غزہ کی پٹی میں معصوم فلسطینی باشندوں بالخصوص بچوں کے قتلِ عام کے تناظر میں دیکھا جائے تو اس کی عصری معنویت مزید واضح دکھائی ہو جاتی ہے۔ آج بھی فلسطینی باشندوں کا قتل عام اسی طرح جاری ہے۔ سامراجی قوتوں، جن میں امریکہ اور یورپ شامل ہیں، کی آشیر باد سے صیہونی افواج نے پچھلے سال اور موجودہ سال میں غزہ کی پٹی اور اس سے ملحق عرب آبادی کو جس بربریت کا نشانہ بنایا ہے، اس تناظر میں ایک فلسطینی بچے کو دلاسہ دیتے ہوئے فیض کا انداز لائقِ استحسان ہے۔ غزہ ننھے

بچوں کا مدفن بن چکا ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق پچھلے چند ماہ میں اسرائیلی عسکری کارروائیوں میں ساٹھ ہزار کے قریب فلسطینی شہید ہو چکے ہیں جن میں بچوں کی بھی ایک بڑی تعداد شامل ہے۔ فیض نے مذکورہ نظم میں مظلوم فلسطینی بچوں کے نالہ و فریاد کی ترجمانی اور ان کے ساتھ ہم دردی کا اظہار کیا ہے۔ یہ نظم عصری فلسطینی عوام کی مظلومیت کی پوری طرح عکاسی کرتی ہے۔ اسی طرح فیض کی نظم ''فلسطینی شہدا جو پردیس میں کام آئے'' بھی اسی عصری صورت حال کی گھمبیرتا کی ترجمان ہے۔ ذرا اس نظم پر غور کیجیے:

میں جہاں پر بھی گیا ارضِ وطن
تیری تذلیل کے داغوں کی جلن دل میں لئے
تری حُرمت کے چراغوں کی لگن دل میں لئے
تیری اُلفت ، تری یادوں کی کسک ساتھ گئی
تیرے نارنج شگوفوں کی مہک ساتھ گئی
سارے اَن دیکھے رفیقوں کا جِ لَو ساتھ رہا
کتنے ہاتھوں سے ہم آغوش مرا ہاتھ رہا
دُور پردیس کی بے مہر گزر گاہوں میں
اجنبی شہر کی بے نام و نشاں راہوں میں
جس زمیں پر بھی کُھلا میرے لہو کا پرچم
لہلہاتا ہے وہاں ارضِ فلسطیں کا عَلَم
تیرے اعدا نے کیا ایک فلسطیں برباد
میرے زخموں نے کئے کتنے فلسطیں آباد(۹)

فیض احمد فیض کی شہرہ آفاق نظم ''مجھ سے پہلی سی محبت مری محبوب نہ مانگ'' آفاقی اہمیت کی حامل نظم ہے۔ فیض بنیادی طور پر رومان پسند شاعر تھے۔ انھوں نے رومان پسندی سے حقیقت پسندی کا سفر کیا۔ یہ نظم اسی رومان پسندی سے حقیقت پسندی تک کے سفر کی دل کش مثال ہے۔ اس نظم کا پہلا حصہ جس میں شاعر اپنے ماضی کو بیان کرتا ہے، آج بھی ہر نوجوان کی داستان ہے۔ آج کا نوجوان بھی لڑکپن اور جوانی کی ابتدا میں کسی دوشیزہ کے حسن و عشق میں گرفتار ہوتا ہے اور اس کی آنکھوں کے سحر میں مبتلا رہتا ہے۔ اسے لگتا ہے کہ دنیا کی تمام بہاریں محبوب کے قرب سے وابستہ ہیں۔ نظم کا ابتدائی حصہ ملاحظہ ہو:

مجھ سے پہلی سی محبّت مری محبُوب نہ مانگ
میں نے سمجھا تھا کہ تو ہے تو درخشاں ہے حیات
تیرا غم ہے تو غمِ دہر کا جھگڑا کیا ہے
تیری صُورت سے ہے عالم میں بہاروں کو ثبات
تیری آنکھوں کے سوا دُنیا میں رکھا کیا ہے
تو جو مِل جائے تو تقدیر نِگوں ہو جائے
یُوں نہ تھا، میں نے فقط چاہا تھا یوں ہو جائے(۱۰)

لیکن جب سماج کی تلخیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اس کی آنکھیں کھلتی ہیں اور وہ رومان پسندی اور خوابوں کی دنیا سے نکل کر حقیقت کی دنیا میں قدم رکھتا ہے۔ اس کے سامنے کئی طرح کے چیلنجز ہوتے ہیں۔ اسے اپنا مستقبل بنانا ہوتا ہے اور معاشی، سماجی مسائل کا انبار اس کو گھیر لیتا ہے جن سے نبرد آزما ہونے کے لیے اسے سخت جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔ وہ دنیا کی زہرناکی اور تلخ حقائق کو دیکھتا ہے تو وہ محبوب کو بھول کر عملی دنیا میں قدم رکھ لیتا ہے۔ مذکورہ نظم کا دوسرا حصہ اس حوالے سے اہم ہے جہاں غمِ جاناں غمِ دوراں میں بدل جاتا ہے۔ دوسرا حصہ ملاحظہ ہو:

اَن گنت صدیوں کے تاریک بہیمانہ طلسم
ریشم و اطلس و کمخاب میں بُنوائے ہوئے
جابجا بِکتے ہُوئے کوچہ و بازار میں جسم
خاک میں لتھڑے ہُوئے خون میں نہلائے ہُوئے
لَوٹ جاتی ہے اُدھر کو بھی نظر کیا کیجئے
اب بھی دلکش ہے ترا حسن، مگر کیا کیجئے
اور بھی دکھ ہیں زمانے میں مَحبّت کے سوا
راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا
مجھ سے پہلی سی مَحبّت مری محبوب نہ مانگ (۱۱)

اکیسویں صدی کے ہر نوجوان کو بھی ایسے ہی حالات کا سامنا ہے۔ آج کا نوجوان بھی جب دیکھتا ہے کہ ہر طرف انسانوں پر مظالم ڈھائے جارہے ہیں۔ انسانی جسم کے بیوپار سر عام اپنا مکروہ دھندہ چلا رہے ہیں۔ خاک اور خون میں لتھڑے ہوئے جسم بھی عام ملتے ہیں۔ تو وہ نوجوان اپنے رومانی جذبات کو دبانے کی کوشش کرتا ہے اور اسے احساس ہونے لگتا ہے کہ زمانے میں محبت کے علاوہ بھی ہزاروں دکھ ہیں۔ سماجی ناانصافی، عالمی کساد بازاری، سرمایہ دارانہ نظام کی جکڑ بندیاں، طاقتور ممالک کی کمزور ممالک کے خلاف عالمی سازشیں اور ریشہ دوانیاں، بوسیدہ معاشی نظام، عالمی اداروں پر طاقت ور ممالک کی اجارہ داری، امیر اور غریب کے مابین جے ایف۔۱۷ تھنڈر کی رفتار سے بڑھتا تفاوت وغیرہ جو آج بھی ویسے کے ویسے ہیں تو آج کا نوجوان بھی ان مسائل میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔ اسی ماحول میں فیض کی اس نظم "مجھ سے پہلی سی محبت مری محبوب نہ مانگ" کی عصری معنویت دوچند ہو جاتی ہے۔ ان کے اس طرزِ فکر کی پیروی موجودہ عہد کے شعرا بھی کرتے ہیں۔ ڈاکٹر نصرت چودھری کے مطابق:

> "فیض کی شاعری کی تقلید کا انحصار زیادہ تر ان کے تخلیقی رویے اور شعری اندازِ بیان پر ہے۔ ان کی شاعری میں سماجی مسائل اور ذاتی تناظر کی کارفرمائی کے ساتھ آفاقیت کے درخشاں نقوش موجود ہیں اور ان کی شاعری میں آفاقیت اور عصریت کا جو امتزاج ملتا ہے وہ تقریباً سبھی جدید شعرا کا اہم موضوع رہا ہے۔" (۱۲)

اس کے ساتھ ساتھ فیض کی نظموں "ایک دن یوں خزاں آگئی"، "اس وقت تو یوں لگتا ہے"، "ایک نغمہ کربلائے بیروت کے لیے"، "ایک نغمہ تارکینِ وطن کے لیے" اور ایک مرثیہ نما نظم "شامِ غربت" کی بھی عصری تطبیقی تشریح کی جاسکتی ہے۔ فیض کی

پنجابی نظموں میں بھی عصری حالات کی ترجمانی ملتی ہے۔ برصغیر پاک وہند میں کسان، کاشت کار اور دیہاتی طبقے کو صدیوں سے نظر انداز کیا جارہا ہے۔ انھیں وہ سہولیات حاصل نہیں ہیں، جو سرمایہ دارانہ نظام میں بڑے شہروں میں بیٹھے ایک بیوپاری یا کاروباری شخص کو حاصل ہیں۔ کسان اور کاشت کار کا استحصال اس خطے میں صدیوں سے ہو رہا ہے۔ فیض احمد فیض کا خیال ہے کہ یہ طبقہ پورے ملک کو پالتا ہے اور ملکی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے مگر اسے ہر طرف سے دھتکارا جاتا ہے۔ اسے سماج میں وہ مقام حاصل نہیں ہے جس کا استحقاق رکھتا ہے۔ اسے دوسرے درجے کا انسان سمجھا جاتا ہے۔ اس حوالے سے فیض کی ایک پنجابی نظم ملاحظہ ہو:

اُٹھ اُتاں نُوں جٹّا
مر دا کیوں جائیں
بھولیا! تُوں جگ دا اَن داتا
تیری باندی دھرتی ماتا
تُوں جگ دا پالن ہار
تے مَر دا کیوں جائیں
اُٹھ اتاں نُوں جٹّا
مَر دا کیوں جائیں
جرنل، کرنل، صوبیدار
ڈپٹی، ڈی سی، تھانیدار
سارے تیرا دِتّا کھاون
تُوں جے نہ بیجیں، تُوں جے نہ گاہویں
بھکھے، بھانے سب مر جاون
ایہہ چاکر توں سرکار
مَر دا کیوں جائیں (۱۳)

اس نظم کے بغور مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ فیض نے یہ نظم آج کے کسان اور کاشت کار طبقے کے لیے لکھی ہے۔ وہ صدیوں کے سوئے ہوئے اس طبقے کو جگانے اور اسے باشعور بنانے کی سعی کرتے نظر آتے ہیں۔ جٹا سے مراد ہمارا کسان ہے جو دیہات میں رہائش پذیر ہے۔ وہ آج بھی مُراعات سے محروم ہے۔ اس کی فصلوں کے مناسب دام نہیں ملتے اور بیوپاریوں کے کارندے اس کا استحصال کرتے ہیں۔ عصری معنویت اور کسان کے استحصال کے ضمن میں مذکورہ نظم بھی لائقِ داد ہے۔ چند مزید مصرعے ملاحظہ ہوں:

اٹھ اتاں نوں جٹا
مر دا کیوں جائیں
وچ کچہری، چونگی تھانے
کیہہ ان بھول تے کیہہ سیانے
کیہہ اشراف تے کیہہ نمانے

سارے کھجّل خوار
مر دا کیوں جائیں
اٹھ اُتاں نوں جٹا(۱۴)

یہ بات ذہن نشین رہے کہ فیض احمد فیض کی صرف نظمیں ہی عصری معنویت کی حامل نہیں ہیں بل کہ ان کی غزلیات کی عصری معنویت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ عہدِ حاضر کی سیاسی، سماجی، معاشی اور بین الاقوامی صورت حال کے تناظر میں ان کی کئی غزلیات کے کئی اشعار آج بھی لائقِ مطالعہ ہیں۔ اس حوالے سے ان کا درج ذیل شعر دیکھیے:

مٹ جائے گی مخلوق تو انصاف کرو گے
منصف ہو تو اب حشر اُٹھا کیوں نہیں دیتے(۱۵)

شاعر اس شعر میں خالقِ کونین سے مخاطب ہو کر معاشرے میں طبقاتی تقسیم اور ناانصافی پر نوحہ کناں ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ شاعر موجودہ عہد کے تناظر میں اپنے خدا سے ہم کلام ہے۔ آج بھی عدل وانصاف ناپید ہے اور پرولتاری طبقہ مسائل کی چکی میں بری طرح پس رہا ہے۔ فیض سوالیہ انداز میں کہتے ہیں کہ جب مظلوم لوگ تباہ ہو جائیں گے کیا تب حشر برپا ہو گا؟ حشر کی آج ہی ضرورت ہے۔ اسی طرح ان کی غزل جس کا پہلا مصرع "نہ گنواؤ ناوکِ نیم کش دلِ ریزہ ریزہ گنوا دیا" ہے، اگرچہ رومانوی احساسات لیے ہوئے ہے تاہم اس کا سماجی پہلو آج بھی لوگوں کو اپیل کرتا ہے اور معاصر ملکی صورت حال کا ترجمان ہے۔ ذرا اس شعر پر توجہ کیجیے:

اُدھر ایک حرف کہ کشتنی یہاں لاکھ عذر تھا گفتنی
جو کہا تو سن کے اُڑا دیا جو لکھا تو پڑھ کے مٹا دیا(۱۶)

مذکورہ شعر کو پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ شاعر عصرِ حاضر کے حالات کی ترجمانی کر رہا ہے۔ آج بھی عام آدمی کی دلیل سننے کو کوئی تیار نہیں۔ آزادیِ اظہارِ رائے کو دبانے کے لیے طرح طرح کے قوانین بنائے جا رہے ہیں۔ کوئی بھی دلیل سننے کو تیار نہیں، خواہ وہ عام آدمی ہو یا مقتدر طبقہ۔ ہر ایک کا اپنا قانون ہے اور اپنا سچ، کوئی کسی دوسرے کے نظریے پر توجہ نہیں دیتا۔ عجیب نفسا نفسی کا عالم ہے۔ یہ شعر معاصر ملکی و عالمی منظر نامے کی عکاسی بڑی جامعیت کے ساتھ کرتا ہے۔ اس کے علاوہ فیض کے ان اشعار کی بھی عصری تعبیریں کی جا سکتی ہیں۔

***

آج تک شیخ کے اکرام میں جو شے تھی حرام
اب وہی دشمنِ دیں، راحتِ جاں ٹھہری ہے(۱۷)

*　　*　　*

کچھ محتسبوں کی خلوت میں، کچھ واعظ کے گھر جاتی ہے
ہم بادہ کشوں کے حصے کی، اب جام میں کمتر جاتی ہے(۱۸)

فیض سر پر جو ہر اِک روز قیامت گزری
ایک بھی روزِ مکافات نہ ہونے پائی(۱۹)

اِک گردنِ مخلوق جو ہر حال میں خم ہے

اِک بازوئے قاتل ہے کہ خوں ریز بہت ہے(۲۰)

کلامِ فیض کا جب عمیق مطالعہ کیا جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ فیض نے اپنے بیشتر کلام میں عصری معنویت کو اجاگر کیا ہے۔ سامراجی قوتوں، نو آبادکاروں، استعماری طاقتوں اور استحصالی نظام کے شکنجے میں آج بھی پوری دنیا جکڑی ہوئی ہے۔ فیض مساوات، آزادیِ اظہارِ رائے، امن و محبت اور عدل و انصاف کے علم بردار ہیں۔ اسی لیے ان کا کلام معاصر عہد میں بھی اسی طرح کارآمد ہے جس طرح بیسویں صدی میں اس عہد کی سیاسی و سماجی صورت حال پر موثر طریقے سے پورا اترتا تھا۔ کیوں کہ دنیا کو شر کی قوتوں سے چھٹکارے اور امن و مساوات کی آج بھی ضرورت ہے۔ اس لیے کلامِ فیض معاصر ادبی منظر نامے میں بھی لائقِ مطالعہ ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر گلشن طارق، فیض کی عصری حسیت (مضمون)، مشمولہ: اورینٹل کالج میگزین، ششماہی تحقیقی مجلہ، شمارہ ۹۴، جلد ۱، شعبہ اردو، اورینٹل کالج، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور: جنوری تا جون، ۲۰۱۹ء، ص:۲۸

۲۔ فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، لاہور: مکتبہ کارواں، س ن، ص:۶۵۶

۳۔ ایضاً، ص:۶۵۷-۶۵۶

۴۔ ایضاً، ص:۸۰۔۷۹

۵۔ سید سبطِ حسن، فیض کا آدرش (مضمون)، مشمولہ: فیض احمد فیض (فیض صدی: منتخب مضامین)، مرتبین: پروفیسر یوسف حسن، ڈاکٹر روش ندیم، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۱۰ء، ص:۵۹

۶۔ فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، ایضاً، ص:۶۹۸۔۶۹۷

۷۔ ڈاکٹر حافظ محمد ثانی، مسئلہ فلسطین، مظلوم فلسطینی مسلمان اور فیض احمد فیض (کالم)، مشمولہ: روزنامہ جنگ، لاہور: ۲۶۔نومبر، ۲۰۲۳ء، ص:۱۳

۸۔ ایضاً، ص:۶۳۸۔۶۳۷

۹۔ ایضاً، ص:۶۳۶۔۶۳۵

۱۰۔ ایضاً، ص:۶۱

۱۱۔ ایضاً، ص:۶۲

۱۲۔ ڈاکٹر نصرت چودھری، فیض احمد فیض: روایت اور انفرادیت، نئی دہلی: سیمانت پرکاشن، ۱۹۹۵ء، ص:۳۲۳

۱۳۔ ایضاً، ص:۶۶۱-۶۶۲

۱۴۔ ایضاً، ص:۶۶۰

۱۵۔ ایضاً، ص:۵۲۸

۱۶۔ ایضاً، ص:۳۵۵

۱۷۔ ایضاً، ص:۱۶۴

۱۸۔ ایضاً، ص:۲۶۶

۱۹۔ ایضاً، ص:۴۵۲

۲۰۔ ایضاً، ص:۵۲۸

References in Roman Script:

1. Dr. Gulshan Tariq, “Faiz ki Asri Hassasiyat” (Mazmoon), Mashmoola: Oriental College Magazine, Shashmahi Tehqeeqi Majalla, Shumara 94, Jild 1, Shoba-e-Urdu, Oriental College, Punjab University, Lahore, January–June 2019, p. 28.

2. Faiz Ahmad Faiz, Nuskha Haye Wafa, Lahore: Maktaba Karwan, S.N., p. 656.

3. Ibid., pp. 656–657.

4. Ibid., pp. 79–80.

5. Syed Sibt-e-Hasan, “Faiz ka Adarsh” (Mazmoon), Mashmoola: Faiz Ahmad Faiz (Faiz Sadi: Muntakhab Mazameen), Murattibeen: Professor Yousuf Hasan and Dr. Roshan Nadeem, Islamabad: Muqtadara Qaumi Zaban, 2010, p. 59.

6. Faiz Ahmad Faiz, Nuskha Haye Wafa, op. cit., pp. 697–698.

7. Dr. Hafiz Muhammad Sani, “Masla-e-Falasteen, Mazloom Falasteeni Musalman aur Faiz Ahmad Faiz” (Column), Mashmoola: Roznama Jang, Lahore, 26 November 2023, p. 13.

8. Ibid., pp. 637–638.

9. Ibid., pp. 635–636.

10. Ibid., p. 61.

11. Ibid., p. 62.

12. Dr. Nusrat Chaudhry, Faiz Ahmad Faiz: Riwayat aur Infiradiyat, New Delhi: Simant Prakashan, 1995, p. 323.

13. Ibid., pp. 661–662.

14. Ibid., p. 660.

15. Ibid., p. 528.

16. Ibid., p. 355.

17. Ibid., p. 164.

18. Ibid., p. 266.

19. Ibid., p. 452.

20. Ibid., p. 528.